⊙ نازیہ انصاری
لیکچرر، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
⊙⊙ ڈاکٹر امتیاز حسین بلوچ
صدر نشین، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان
⊙⊙⊙ ڈاکٹر منور امین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف سدرن پنجاب، ملتان

ناول ذلتوں کے اسیر کا تانیثیتی جائزہ

Abstract:

Renowned poet, writer, translator and journalist of Urdu literature, Anwar Sen Roy is popular for his unique works. As a journalist, he has been associated with many organizations. His one line analysis on Pakistani political and literary history is not less than any detail. Anwar Sen Roy's novel "Cheekh" occupies a unique place in resistance literature. In it, he described martial law and its coercion in a bold manner. Among his other creations are the novel "Ziltoon Ke Aseer" and translations of the poems of Muhammad Darwish and Udwins. In this, he has presented a woman in a different form, which fights for her survival in a male-dominated society. "Ziltoon ke Aseer" is not only the story of a woman, but the story of all the women of the world who are not only victims of men's oppression, but are also trapped in the shackles of social customs and traditions.

Keywords:

Urdu, Novel, Feminism, Women, Society, Theory, Resistance

فیمینزم ایسا تصور ہے جس میں مرد اور عورت یکساں طور پر بنیادی انسانی اور سماجی حقوق کے مستحق ہیں۔ Feminism ایک جدید اصطلاح ہے۔ یہ لاطینی زبان کے Femina سے نکلا ہے جس کا مطلب ''نسوانی اوصاف رکھنا'' ہے۔ اردو میں اس کے لیے تانیثیت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے لفظ Feminist فرنچ میڈیکل

ٹیکسٹ میں نسوانیت کے حامل مردوں کے لیے استعمال کیا گیا(۱)۔تانیثیت کی بے شمار تعریفوں ہیں۔مثلاً انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے مطابق:

"Feminism is the theory of political, economics and social equality of sexes."(2)

Feminism کیا ہے؟ بہت سے لوگ یا تو اس کے متعلق جانتے نہیں ہیں یا اس کے بارے میں گمراہ کن تصور رکھتے ہیں۔جس کے نتیجے میں جسے معاشرے میں فتنہ تصور کیا جاتا ہے۔تانیثیت کا مطلب وہ خواتین ہے جنھیں معاشرے میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔اور ان کی صلاحیتوں کی نکھارتے ہوئے،ان کو تخلیقی اظہار کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔تانیثیت کی تحریک مشرقی اور مغربی دونوں معاشروں میں پروان چڑھی اور اسے ایک آئیڈیالوجی اور سماجی تحریک بھی تسلیم کیا گیا۔انیس ہارون تانیثیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''خواتین پر ظلم وزیادتی کے خلاف آواز اٹھانا یا ان کے حقوق کی بات کرنا Feminism ہے۔''(۳)

تانیثیتی تحریک کی باقاعدہ شروعات مغرب سے ہوئیں۔فرانسیسی مصنفہ Alexand Dumas Fils نے سب سے پہلے Feminism لفظ کا استعمال ایسی عورتوں کے لیے کیا جو نڈر اور بے باک مزاج کی حامل تھیں۔ابتدا میں اس لفظ کا استعمال نسوانی اوصاف کے لیے مخصوص تھا۔لیکن بعد میں یہ عورتوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والے لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگا اور رفتہ رفتہ یہ رجحان ایک ایسی تحریک کی صورت اختیار کر گیا جو تانیثیت یا تانیثیتی تحریک کے نام سے فروغ پانے لگا۔پروفیسر شہناز نبی کے نزدیک:

''فیمنزم تحریکات کے مجموعے کا نام ہے۔جس کا مقصد عورتوں کو مردوں کے برابر سیاسی،سماجی اور معاشی حقوق دینا ہے۔مختلف ادوار میں پدری سماج میں عورتوں کی محکومیت کے خلاف آوازیں اُٹھتی رہیں۔ان تحریکات کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی تعریف کرنے اور تعلیم اور روزگار میں انھیں برابر کے مواقع دینے کی حمایت ہوتی رہی ہے۔''(۴)

تانیثیتی تحریک کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب سے ہوتا ہے اور حقوقِ نسواں کی یہ تحریک فرانس سے یورپ اور یورپ سے امریکہ تک پہنچی اور عورتوں کو مردوں کے برابر مساوی حقوق کا مطالبہ پوری دنیا میں پھیل گیا۔مغربی ادیبوں اور دانشوروں نے اس تحریک کی ترویج وترقی میں اہم کردار ادا کیا۔اور اس تحریک کو ادب میں نظریے کے طور پر پیش کیا۔میری وول سٹون کرافٹ کی تصنیف Windication of the rights of women کو تانیثیتی ادب کا آغاز تسلیم کیا جاتا ہے۔اس میں انھوں نے عورتوں کے حقوق اور تعلیم پر زور دیا ہے۔اس کے Margart Fuller کی کتاب Women in 19th Century میں انیسویں صدی کی عورتوں کے حالات بیان کیے گیے ہیں۔اس کے علاوہ فرانس کی Simone کی کتاب The Second Sex کو تانیثیتی تحریک کے حوالے سے اہم تصور کیا جاتا ہے۔ورجینا وولف کی دو تحریریں The Guineas اور Room of One's Own بھی تانیثیتی ادب کے حوالے سے اہم ہیں Aurten کیناول Pride and Prejudice میں تانیثیتی موضوعات کو نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

جارج ایلیٹ کے ناول Mill on the Flors میں ایسے گھرانے کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جہاں گھر والے بیٹے کے لیے تو اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں لیکن بیٹی کو ان تمام وسائل محروم کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر انگریزی ناول نگاروں میں Alice Walker, Anita Desa, Margatet al wood, Toni Morrisony بھی اپنے ناولوں میں تانیثیت کو فکری، فنی اور جمالیاتی سطحوں پر پیش کیا ہے۔ اگر اردو ادب میں تانیثیتی نظریات کی بات کی جائے تو یہ نظریہ بھی دیگر نظریات مثلاً ماڈرن ازم، مارکس ازم، رومینٹسزم اور پوسٹ ماڈرن ازم کی طرح مغرب سے آیا ہے۔ لیکن اردو ادب میں اس تحریک کا بنیادی مقصد عورت کو بحیثیت انسان تسلیم کروانا ہے۔

اردو ادب میں یہ تحریک ''تانیثیت'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ برسوں سے خواتین کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم وستم کے خلاف بھرپور احتجاجی تحریک ہے۔ جس کی جھلک اردو ادب کی ہر صنف خصوصاً ناول میں بھی نظر آتی ہے۔ تانیثیتی اعتبار سے اردو ناول نگاری پر تانیثیت کے اثرات نذیر احمد کے ناول ''مراۃ العروس'' میں تلاش کیے جا سکتے ہیں نذیر احمد کے نزدیک عورت میں شرافت، پارسائی، تمیز وتہذیب اور اُمور خانہ داری کے علاوہ خدمت گزاری کے اوصاف کا ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ نذیر احمد کے بعد پنڈت رتن ناتھ سرشار کے یہاں بھی تانیثیتی رجحان موجود ہے۔ ان کے ناولوں میں اس عہد کی تہذیب وثقافت، معاشرے میں عورت کے مقام کے علاوہ محلے سے لے کر متوسط طبقے کی لڑکیوں اور طوائفوں کی زندگی کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ عبدالحلیم شرر کے ناولوں میں عورتوں کے مسائل، جاگیرداری نظام میں عورتوں کے ساتھ کی جانے والی زیادتی اور تعلیم نسواں جیسے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مرزا ہادی رسوا نے اردو ناول کو اپنی جدت پسندی سے وسعت عطا کی۔ انھوں نے اپنے ناول ''امراؤ جانِ ادا'' کے ذریعے طوائفوں کی زندگی کو بالکل نیا انداز میں پیش کیا ہے۔ اس ناول کے حوالے سے منصور خوشتر لکھتے ہیں:

> ''اردو فکشن میں ان کا ناول "امراؤ جان ادا" جیسے ہم پہلا تانیثیتی ناول بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں انھوں نے نہ صرف اس زمانے کی عکاسی کی ہے بلکہ اس عہد کا ترجمان بھی بنا دیا ہے۔''(۵)

مرزا ہادی رسوا کے بعد راشد الخیری کا نام بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے عورتوں کے مسائل پر قلم اُٹھایا۔ جس بنا پر انھیں ''مصورِ غم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پریم چند کے تقریباً تمام ناول تانیثیت کے زمرے میں آتے ہیں۔ قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی ان کی تخلیقات میں عورتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "پریم چند کے دور تک ماں کے علاوہ عورت کے دو خاص روپ نظر آتے ہیں۔ بیوی اور محبوبہ۔ اور ان دونوں سے وابستہ جذبات واحساسات میں اصلیت اور صداقت اکثر ناپید ہوتی ہے۔ پریم چند کا کارنامہ یہ ہے کہ..... وہ اپنے عہد کی محکم روایت کے خلاف عورت کو اپنی تخلیقی کائنات میں اس کی اصلی معصومیت اور نیک نفسی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔''(۶)

کرشن چندر کے دو ناول ''چاندی کا گھاؤ'' اور ''ایک عورت ہزار دیوانے'' تانیثیتی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی نے عورتوں کی فطرت اور ان کی نفسیات کو موضوع بنایا ہے۔ ان کا شاہکار ناولٹ ''ایک چادر میلی سی'' عورتوں کے

مسائل کو نمایاں کرتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں تانیثیتی نظریات کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہوئے سماجی اہمیت پر زور دیا گیا اور ایسا سماجی نظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس میں عورتوں کے لیے سازگار ماحول میں کام کرنے کے مواقع میسر ہوں۔ عصمت چغتائی اور قراۃ العین حیدر نے اپنے ناولوں کے ذریعے اردو ناول نگاری میں انقلاب برپا کیا۔ عصمت چغتائی کا نام تانیثیتی فکر و شعور کے حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے یہاں جنسی حقیقت نگاری کا پہلو نمایاں ہے۔ ان کے دو ناول ''ٹیڑھی لکیر'' اور ''دل کی دنیا'' تانیثیت کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ عبدالرحمٰن کے نزدیک:

> ''عورت اور مرد برابر ہیں'' کا نعرہ بیسویں صدی کی ابتداء میں شدت اختیار کر چکا تھا۔ اور اس کو فنی جامہ پہنانے والی ادیباؤں میں عصمت آگے رہی ہیں اور اپنی تحریروں میں ہر مقام اور منزل سے عورت کی مساویت کی پرجوش حمایتی رہی ہیں۔''(۷)

خواتین ناول نگار مرد ناول نگاروں کے شانہ بشانہ اپنے فن کا اظہار کرتی رہیں ہیں۔ ترقی پسند تحریک میں بھی خواتین ناول نگاروں نے اہم کردار ادا کرتے ہوئے تخلیقی، تحریری اور تنقیدی خدمات انجام دیں۔ ترقی پسند ادیبوں میں قاضی عبدالغفار، صغریٰ ہمایوں، نذر سجاد حیدر، رضیہ سجاد ظہیر، سعادت حسن منٹو، عزیز احمد، شوکت صدیقی، جمیلہ ہاشمی، صالحہ عابد حسین، رشید جہاں، روحی قاضی، ش۔ اختر اور حیات اللہ انصاری کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو ادب میں ناول نگاری کا جو سلسلہ نذیر احمد نے شروع کیا تھا وہ رفتہ رفتہ حقیقت کے ساتھ ساتھ معاشرے کا آئینہ دار بن گیا۔ اکیسویں صدی میں اردو ناول کی دنیا میں انقلاب برپا ہوا۔ اور بے شمار ناول نگاروں نے اس صنف میں نمایاں اضافہ کیا۔ اس صنف میں مرد ناول نگاروں کے علاوہ خواتین ناول نگاروں نے بھی تانیثیت کو موضوع بنایا اور عورتوں کے مسائل کو نہ صرف واضح کیا بلکہ ان کے حل کے لیے مطالبات بھی کیے۔ اکیسویں صدی میں ناول نگاروں کی ایک طویل فہرست ہمارے سامنے آتی ہے۔ مثلاً اقبال مجید، ظفر پیامی، شمس الرحمٰن فاروقی، علی امام نقوی، فہیم اعظمی، عبدالصمد، انور سجاد، ترنم ریاض، پیغام آفاقی، خورشید نکہت، شموئیل احمد، مستنصر حسین تارڑ، ذکیہ مشہدی، عذرا عباس اور انور سن رائے کا نام شامل ہے۔

عورت زمانہ قدیم سے ہی پدرسری نظام میں مسائل سے دوچار رہی ہے۔ ہر دور کے معاشرتی مزاج نے اِسے اپنے ذوق کی مناسبت سے قبول بھی کیا ہے اور نظر انداز بھی ہوتی رہی ہے اردو ادب میں ناول کی ابتدا سے ہی عورت اور اس کے مسائل کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے ہے اس حوالے سے عورت اردو ناول کا ایک ایسا موضوع ہے۔ جو نازک ہونے کے ساتھ ساتھ حساس بھی ہے اردو ناول نگاری کے آغاز کے حوالے سے اس موضوع کو دیکھا جائے تو کوئی بھی ناول عورت کے ذکر سے مبرا نہیں ہے۔ وہ ناول چاہے سماجی ہو، سیاسی ہو، تاریخی ہو یا رومانوی ہر قسم کے ناولوں کا قصہ عورت کے بغیر نامکمل اور ادھورا ہے عورت ایک زندہ حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، لیکن عورت کی حقیقت تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن لگتا ہے بقول ڈاکٹر عقیلہ جاوید:

> ''عورت نے اپنی ذات کے گرد اتنے جال پھیلا رکھے ہیں کہ اس کی حقیقت تک پہنچنا، گویا پیاز سے چھلکا اتارنا ہے عورت کی اس تہہ در تہہ پرت کے پیچھے جھانکنے کے لیے باقاعدہ تحقیق کی

ضرورت محسوس ہوتی ہے۔''(۸)

ایک عورت بحیثیت انسان کیا سوچتی ہے؟ کیا محسوس کرتی ہے؟ اس کی کیا کیا خواہشات ہیں؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جو اس کی شخصیت کی تکمیل یا تخریب کا باعث بنتے ہیں۔ یہ وہ تمام عوامل ہیں جو اردو ناول کا ایک اہم حصہ سمجھے جاتے ہیں اردو ناول میں عورتوں کے مسائل و مشکلات کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ازدواجی زندگی اور اس کی پیچیدگیوں کے علاوہ روزمرہ زندگی کے مسائل شامل ہیں۔ ان تمام مسائل پر نہ صرف خواتین ادیباؤں بلکہ مرد ادیبوں نے بھی قلم اٹھایا ہے لیکن خواتین ادیبوں کے یہاں تانیثیت اپنے صنفی جذبے اور کیفیت کے ساتھ ساتھ مسائل کے اظہار کا ذریعہ بھی رہی ہے جبکہ مرد تخلیق کاروں نے بھی تانیثیتی رجحان کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔

تانیثیتی ڈسکورس کے حوالے سے انور سن رائے کا ناول ''ذلتوں کے اسیر'' ایک ایسا ناول ہے جس میں مصنف نے پاکستانی معاشرے میں عورت کے مقام، مردانہ تسلط اور عورت کی نفسیات کو موضوع بنایا ہے۔ اس ناول کے ذریعے انور سن رائے نے کراچی کے حالات واقعات، سماج میں عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویے، مردوں خصوصاً ادیبوں اور شاعروں کے عورتوں کے حوالے سے جذبات کو، عورتوں کو جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھنے، پدرسری نظام میں اس کے حقوق کی پامالی اور استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ثانیہ نامی خاتون ہے۔ جبکہ ناول کا راوی خود انور سن رائے ہے۔ جس کے پاس تمام کردار آ کر اپنی کہانی بیان کرتے ہیں۔ ناول میں موجود تمام کرداروں کے جذبات، نفسیات اور ان کے اخلاقی پس منظر کو مصنف نے نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ہر کردار اپنے رویے اور چال ڈھال سے اپنی شخصیت کا خود ہی تعارف کراتا ہے۔

ناول کا مرکزی کردار ''ثانیہ'' جو مرد اساس معاشرے میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینے کی تمنا لیے اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔ معاشرے سے بغاوت اس کے لئے ذاتی تسکین کا باعث بنتی ہے وہ وقت اور حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بدلہ تمام مردوں سے لینا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ دنیا کے تمام مرد اس کے اشاروں پر چلیں۔ وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کی آرزو میں سماجی حدود و قیود کی پابندیوں کو بھی ضروری نہیں سمجھتی۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کے اندر خود کو بدلنے کی فطری کوشش بھی نظر آتی ہے۔ جس میں وہ ناکام رہتی ہے۔

ثانیہ عام سی شکل صورت کی حامل لڑکی ہے لیکن اس کی شخصیت میں ایک ایسی کشش ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ثانیہ کا تعلق غریب گھرانے سے ہے۔ اس کا والد رشید، کوچوان ہے۔ گھر کا واحد کفیل ہونے کے باعث تمام گھر کی ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر ہے۔ اس کی پانچ بیٹیاں ہیں۔ اولادِ نرینہ نہ ہونے کا غم اور غربت ایسے مسائل ہیں۔ جو گھر کے ماحول کو کشیدہ بنائے رکھتے ہیں ہمارے معاشرے میں عورت کو نحوست سمجھنا۔ اسے غربت اور معاشی تنگدستی کا ذریعہ سمجھنا۔ اور اولادِ نرینہ سے محروم ہونا ایسے مسائل ہیں۔ جن سے ہر عورت نبرد آزما ہے۔ ثانیہ کی ماں بھی انہی مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ شیدا ناصرف بیوی کو کو ان تمام مسائل کا ذمہ دار سمجھتا ہے بلکہ اسے طعنے بھی دیتا ہے۔ آئے روز کی لڑائی جھگڑوں کے باعث گھر کا ماحول خراب رہتا ہے۔ اسی خراب ماحول میں ثانیہ کی پرورش ہوتی ہے۔

ارشد جس کے ساتھ ثانیہ کی شادی طے ہے وہ شادی شدہ اور ایک کڑیل جوان ہے۔ شادی کے بعد ثانیہ اس کی بہن کے گھر رہتی ہے جس کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے کو قریب سے جاننے کا موقع نہیں ملتا۔ بچے کی پیدائش کے بعد ثانیہ پر جب ارشد کی حقیقت کھلتی ہے تو وہ بپھری شیرنی بن جاتی ہے۔ اور گھر چھوڑ دیتی ہے۔ گھر چھوڑنے کے بعد ثانیہ ماں کے گھر جانے کی بجائے کراچی اپنی بہن کے گھر جاتی ہے کراچی آنے کے بعد ثانیہ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں آ کر وہ ایک نئے روپ میں قاری کے سامنے آتی ہے۔ زندگی کی تلخیوں، سختیوں اور الجھنوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے کے لئے اسے جن حالات وواقعات سے گزرنا پڑتا ہے وہ حالات اسے آہستہ آہستہ موت کی طرف دھکیلتے ہیں۔ کراچی آ کر وہ مزید دو شادیاں کرتی ہے ایک نبیل اور دوسری امثال کے ساتھ۔

نبیل سے شادی کے بعد وہ شاعروں اور ادیبوں کی دنیا سے روشناس ہوتی ہے۔ یہاں بھی ہر آنے والے ادیب و شاعر نہ صرف ثانیہ سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اسے اپنے جال میں بھی پھسانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ نبیل سے اس کا ایک مردہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ نبیل اس کو وہ توجہ اور محبت نہیں دے سکا جس کی وہ متمنی تھی۔ بچے کی پیدائش کے وقت اسے جس اذیت اور تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے اس کا احوال وہ مدیحہ سے اس کے الفاظ میں بیان کرتی ہے:

> ''مجھے نہیں پتہ، لیکن کوئی چیز ہے، کوئی چیز، شاید کوئی زندہ جسم، مرنے سے پہلے آخری سانس لے رہا ہے۔ جو زندہ رہنے کے لیے اپنے آپ سے لڑ رہا ہے، زندہ رہنے کے لیے، یا مرنے کے لیے، میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتی۔''(۹)

نبیل سے علیحدگی کے بعد ثانیہ امثال سے شادی کر لیتی ہے۔ امثال سے اس کی شادی روایتی انداز سے ہوتی ہے۔ وہ پہلی دفعہ باقاعدہ دولہنوں کی طرح اور ایک نئی نویلی دلہن کی طرح کے جذبات واحساسات سے دوچار ہوتی ہے لیکن امثال سے شادی کے بعد بھی اس کی مشکلات کم نہیں ہوتیں کیونکہ امثال کے گھر والیا سے قبول نہیں کرتی ان کا خیال تھا کہ ثانیہ نے اُن سے اُن کا بیٹا اور بھائی چھین لیا ہے:

> ''کیوں کہ میں اس کے گھر والوں کے نزدیک انسان نہیں تھیں، شادیاں کرنے والی، داشتہ، بچے چھوڑنے والی اور شوہر چھوڑنے والی ایک ایسی عورت تھی جس نے ایک عورت سے اس کا بیٹا چھین لیا تھا، جس نے ایک بھائی چھین لیا تھا۔''(۱۰)

شادی کے بعد امثال کا رویہ بھی ثانیہ کے ساتھ روکھا اور اجنبیوں جیسا ہو جاتا ہے۔ اسے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے اور لوگوں سے ملال جلنا بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔ امثال سے علیحدگی کے بعد وہ اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے نزدیک باقاعدہ اور روایتی انداز سے ہونے والی شادی عورت کو بہت زیادہ مہنگی پڑتی ہے۔ اپنے دکھ کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہے:

> ''یہ باقاعدہ شادی بڑی مہنگی ہوتی ہے، آدمی کی ہڈیوں سے رس تک نچوڑ لیتی ہے۔ عورت اپنا سب کچھ دے کر بھی اپنے آپ کو خرید نہیں سکتی، اس دنیا میں واپس آنے کے لئے میں دیکھتے ہوئے، ان دنوں پر ماتم کرتی ہوئی آئی ہوں جن میں ہر دن سو سو سال کا تھا۔ مدیحہ! تم تو جنت میں

رہتی ہو، جنت میں، اور جنت میں رہنے والوں کو دوزخ میں رہنے والوں کے دن اور راتوں کی طوالت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے۔''(۱۱)

ارشد، نبیل اور امثال کے علاوہ بھی اس کی زندگی میں بہت سے مرد آتے ہیں جن کے ساتھ وہ نہ صرف دوستی کرتی ہے بلکہ جنسی تعلقات بھی قائم کرتی ہے ان مردوں میں سیٹھ یونس ڈرگ کالونی کا بدمعاش نوید، اعزاز جو امثال کا دوست اور شاعر ہے، شامل ہیں۔ ارشد سے اس کے دو بچے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آٹھ ابارشن بھی کراتی ہے۔ وہ دنیا کے تمام مردوں سے نفرت کرتی ہے اور انہیں اپنے اشاروں پر نچانا بھی چاہتی ہے، لیکن تمام مردوں میں اسے نبیل نیک اور معصوم لگتا ہے۔ مگر وہ بھی اس کے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ نبیل سے شادی کے بعد ثانیہ کے اندر ایک بڑی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ادیبوں، شاعروں اور پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ میل جول اسے اس کے اعتماد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ آزادانہ میل جول اسے شاعری کی جانب مائل کرتا ہے۔

شاعرہ بننے کے بعد وہ ایک نئی دنیا سے آشنا ہوتی ہے وہ شاعروں اور ادیبوں کے اخلاقی سطح، جنسی گراوٹ اور معاشی تنگدستی سے آگاہ ہوتی ہے۔ پھر وہ دوبارہ نوکری شروع کر دیتی ہے اور نئی پرانی دنیا کو ملا کر نہ صرف نبیل اور اپنا خرچہ اٹھاتی ہے بلکہ اپنے گھر والے اور شاعروں کا بوجھ بھی اپنے نازک کندھوں پر اٹھاتی ہے۔

ثانیہ مردوں سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لئے معاشرتی حدود و قیود کو بھی پار کر جاتی ہے کیوں کہ اس کا باپ جس کا وہ خون تھی، وہ بھی اس کا نہیں بنتا، چند ٹکوں کے عوض اسے بیچ دیتا ہے۔ ارشد جو اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا وہ بھی اسے دھوکا دیتا ہے۔ تو پھر وہ مردوں کے ساتھ برابری کی سطح کے مقابلے پر اتر آتی ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اگر معاشرہ مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دے سکتا ہے تو پھر یہی آزادی اسے بھی حاصل ہونی چاہیے وہ پدرسری سماج کی طرف سے روا رکھے جانے والے ظلم و جبر پر دیگر عورتوں کی طرح خاموش نہیں رہتی بلکہ اس کے خلاف بھرپور احتجاج کرتی ہے مگر وہ اس نظام کو شکست نہیں دے سکی، جو صدیوں سے رائج ہے اور اس کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی زندگی سے ہار جاتی ہے کیونکہ اس کی لڑائی ایک ایسے معاشرے سے تھی جو اس کی تقدیر کا خود فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ڈاکٹر سیما صغیر اس حوالے سے لکھتی ہیں:

''عورت کی زندگی میں پیدا ہونے والا ہر المیے کو مرد اساس ذہن عین فطرت قرار دیتا ہے بلکہ اس کی تقدیر کا نوشتہ بناتا ہے جبکہ سچ یہ ہے کہ عورتوں کے نہ گفتہ بہ حالات کی تقدیریں خدا نے کم اور مرد معاشرے کے تضادات نے زیادہ لکھی ہے معاشرے کے تضاد کے سبب اُن عورتوں کو اذیت، ناکامی، توہین اور تضحیک مل رہی ہے جن سے وہ اپنی زندگیوں کو قابل برداشت بنانے کے لیے قوت حاصل کر رہی ہیں۔''(۱۲)

ناول کا بنیادی موضوع عورت اور اس کے بنیادی حقوق سے متعلق ہے اگر اس حوالے سے ناول کو دیکھا جائے تو اس میں تانیثیتی تحریک کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ثانیہ بھی مرد اساس معاشرے میں اپنے حقوق اور بقاء کی جنگ لڑتی ہے وہ پدرسری نظام سے مساوی حقوق کا مطالبہ کرتی ہے مگر اس ناول کا بنیادی مقصد یہ نہیں کہ عورت کو مظلوم اور مرد کو ظالم

ظاہر کر کے صنفِ نازک کے لیے ہمدردیاں اکٹھی کی جائیں بلکہ اس کے پیچھے جو مقصد پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو بحیثیت انسان تسلیم کیا جائے۔ انور سن رائے نے ناول میں عورت کے مختلف روپ پیش کیے ہیں اور ہر روپ میں عورت مرد کے ظلم و ستم، بے رخی اور عدم توجہی کا شکار ہے۔ اسے زندگی کے ہر معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی کے اہم فیصلوں اور معاملات میں اسے شامل کرنا تو ایک طرف اس سے رائے لینا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ عورت کی شادی ایک ایسا معاملہ ہے جس پر کم و بیش تمام ادیبوں نے قلم اٹھایا ہے اور محبت کی داستان بھی کسی نہ کسی زاویے سے شادی تک جا پہنچی ہیں اور عورت کو شادی کے معاملے میں محض رشتوں تک محدود کر دیا جاتا ہے شادی جیسے نازک مسئلے اور پدرسری نظام کے رویے کے حوالے سے سیما صغیر لکھتی ہیں:

> ''عورت کے لیے زندگی کا مقصد شادی کو قرار دے کر پدری نظام بڑی ہوشیاری سے عورت کی زندگی اور اس کی شناخت کو خاندانی رشتوں تک محدود کر دیتا ہے۔''(۱۳)

ناول میں تمام مردانہ کردار صنفِ نازک کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر آدمی عورت کو اپنے طریقے سے استعمال کرنا چاہتا ہے ناول مرد معاشرے کے جنسی مرض کو ظاہر کرتا ہے ایک مرد کے بہت سی عورتوں کے ساتھ تعلقات ہیں۔ عورتوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم دکھایا گیا ہے۔ عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی بجائے صرف اور صرف عورت ہی کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ اسے صرف غلام اور پاؤں کی جوتی سمجھنے والے مردوں کی نفسیاتی اور اخلاقی گراوٹ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسے حقیر ترین مخلوق سمجھنے کے باوجود مرد اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے اسے استعمال کرتا ہے ناول میں امثال کے عورتوں کے حوالے سے خیالات ملاحظہ ہوں:

> ''میں تو اسے اپنا غلام بنانا چاہتا تھا، اس کے علاوہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ میرا رویہ یہی ہوتا تھا، میری پوری کوشش ہوتی تھی کہ میں دوسروں کی مجبوری بن جاؤں۔ ان کا ہر کام میرے بغیر نامکمل ہو، وہ ہر قدم پر مجھ سے مدد طلب کریں، اس کے لیے میں کسی منصوبہ بندی کے بغیر اقدام کرتا تھا۔''(۱۴)

خواتین کو مردوں کے برابر مساوی حقوق دینا تو ایک طرف بلکہ انہیں ان کے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کی نجی زندگی میں اس کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے اور اسے بھیڑ بکریوں کی طرح رشتوں میں بانٹ دیا جاتا ہے اعجاز الرحمٰن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جدید دور میں جہاں سائنس و فلسفہ اور سیاست میں انسانی حقوق، آزادی، مساوات، رواداری اور حقوق نسواں کے لیے انقلاب برپا ہو جانے کے باوجود سماج کا عورت کے تئیں عملاً رویے کیا ہے، اور جدید دور کی ایک تعلیم یافتہ عورت جو مردوں سے کسی معاملے میں کم نہیں ہے پھر بھی وہ اسی طرح مجبور و بے سہارا ہے؟ جیسے قدیم دور کی کوئی عورت جاہل اور گنوار ہونے کی کی وجہ سے تھی۔ آج بھی اہم فیصلے میں نہ تو اس کی رائے جاننے کی کوشش کی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی گنجائش چھوڑی جاتی ہے کہ وہ خود مختارانہ طور پر خود کی کوئی رائے پیش کر سکے۔ بلکہ اسے پالتو جانوروں یا ضروریات زندگی کے سامان کی طرح بانٹ لیا جاتا ہے۔''(۱۵)

ثانیہ ارشد کی بے وفائی اور اس کی طرف سے کی گئی زیادتی کا بدلہ ہر مرد سے لینے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ بیک وقت ظالم بھی ہے اور مظلوم بھی۔ اسے مردوں کے ساتھ ظلم کر کے مزہ آتا ہے اور مظلوم بننے میں بھی وہ لذت محسوس کرتی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مردوں سے شدید نفرت کرتی ہے اور اپنی اس نفرت کے اظہار کے لیے انہیں کھلونے کی طرح استعمال بھی کرتی ہے، اس کے علاہ کراچی آنے کے بعد وہ نشے کی بھی عادی ہو جاتی ہے۔

سگریٹ، شراب، چرس اور ٹرنکولائز کے بے تحاشہ استعمال سے وہ سمجھتی ہے کہ اس کے دماغ میں چلنے والے خیالات، اضطراب اور بے چینی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی۔ ثانیہ بھی ناول میں اسی طرح کی صورتحال سے دوچار ہے۔ وہ اپنی پہلی شادی اور شوہر کی طرف سے ملنے والے زخموں کو کبھی نہیں بھولتی۔ اس حوالے سے وہ اپنے خیالات کا اظہار سیما اور خالدہ سے ان الفاظ میں کرتی ہے:

''کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ان تمام زخموں کو کریدتی رہوں، جن پر وقت نے کھرنڈ جما دیے ہیں۔ حالانکہ اب نہ تو ان میں اذیت باقی بچی ہے، نہ بہنے کے لیے لہو۔ میری شادی بھی ایسا ہی ایک زخم ہے۔ یہ زخم اس وقت لگا تھا جب میں زخم کی لذت اور دکھن دونوں سے نا آشنا تھی۔''(۱۶)

ناول پر تانیثیتی تحریک کے اثرات کو شدت سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار تانیثیتی تصویر کو بھرپور طریقے سے پیش کرتا ہے۔ ثانیہ نہ صرف مردوں کی طرف سے روا رکھے جانے والے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج بلند کرتی ہے بلکہ وہ بغیر جنسی تفریق کے پدرسری نظام سے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ بھی کرتی ہے۔ وہ تانیثیتی فکر کا علمبردار وہ کردار ہے۔ جو ناسازگار حالات میں زندگی سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے وہ ہر مرد کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہے۔ وہ عورت ہوتے ہوئے بھی کسی مرد کے سہارے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ وہ مردوں سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ ہر ممکن طریقے سے لیتی ہے بلکہ یہ بدلہ لینے کا جذبہ اس کے اندر اس قدر شدت اختیار کر چکا ہے کہ وہ مرد بننے کی خواہش کا اظہار کرنے لگتی ہے۔ وہ مردوں کی خودمختاری کو دیکھتے ہوئے مرد بن کر پدرسری نظام سیٹ کرانا چاہتی ہے وہ کہتی ہے:

''اس لئے میں اب عورت نہیں رہنا چاہتی۔ مدیحہ میں مرد بننا نہیں چاہتی ہوں، میں مردوں کو اپنے اشاروں پر نچانا چاہتی ہوں۔ بڑا ادھار نکلتا ہے میرا، اور اپنا سب ادھار وصول کرنا چاہتی ہوں لیکن تم یہ بات نہیں سمجھو گی۔''(۱۷)

پدرسری نظام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے بعض انسانی خصوصیات مثلاً ممتا، شفقت، نرمی، بے لوث قربانی کا جذبہ، پاک دامنی اور اطاعت شعاری وغیرہ کو محض عورت کی ذات سے منسلک کر دیا ہے۔ اگر کسی عورت میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود ہوں تو اسید یوی کے مماثل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر وہ اس سے انحراف کرتی ہو یا متضاد شخصیت کی مالک ہو تو ملعون و مردود ٹھہرتی ہے، یہ عورت ہر جگہ انفرادی تشخص سے محروم اور ظلم و زیادتی کا نشانہ بنتی ہے۔ اس کے وجود کا انحصار محض صنفی تخفیف میں پوشیدہ ہے تانیثیت کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ عورت کی اس حالت زار پر ترس کھانے کی بجائے اسے بحیثیت انسان تسلیم کیا جائے۔ عورت کے اس دکھ اور کرب کا اظہار ثانیہ نے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''کیا عورت اس لئے عورت ہے کہ اس کے جسم کی بناوٹ مرد سے مختلف ہے، اور اس کے جسم کا

ایک حصہ کوکھ کہلاتا ہے، جس میں وہ مرد کا نطفہ محفوظ کرتی ہے، یا اس کے سینے پر دو ابھار ہوتے ہیں، جن کے ذریعے وہ اس نطفے کو پیدا کرنے کے بعد اس کی پرورش کرتی ہے اور ان ابھاروں کی وجہ سے مرد کو خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔ کیا عورت بس اتنی ہی انسان ہے؟ کیا اس کی روح نہیں ہوتی؟ کیا وہ مردوں کی طرح انسان نہیں ہوتی؟ بس جنسی لذت دینے اور بچے پیدا کرنے کی ایک مشین ہوتی ہے؟ صرف حکم بجالانے والا ربوٹ ہوتی ہے۔''(۱۸)

بحیثیت ماں وہ اپنے فرائض سے نظریں چراتی ہے اگر وہ اپنے ایک بیٹے کو اپنے پاس لے بھی آتی ہے تو اسے وقت نہیں دے پاتی۔ جس کی وجہ سے اس کا بیٹا اس سے بدگمان ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔ امثال کے ساتھ بچوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کا انداز جذباتی ہو جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بچوں سے بچھڑنے کے بعد بھی ماں دوہرے عذاب سے دوچار ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی صرف وہ ایک ماں کے دکھ اور نقصان کا ماتم کرتی ہے۔ وہ جذباتی انداز میں کہتی ہے:

''دونوں صورتوں میں ماں کو مرنا پڑتا ہے۔ جب وہ یہ سمجھتی ہو کہ اس کے بچوں کو اس کی ضرورت ہے اور اس کے لیے اپنے بچوں کے پاس رہنا ناممکن بنا دیا جائے تو ماں مر جاتی ہے اور اگر وہ مرنے سے بچنے کے لئے بچھڑنے کا فیصلہ کرتی ہے تب بھی وہ زندہ نہیں رہتی، دیکھنے میں تو وہ زندہ نظر آتی ہے لیکن تب وہ ہر لمحے زندہ ہوتی اور مرتی ہے۔''(۱۹)

اگر ناول کے نام پر غور کیا جائے تو اس کا نام بھی کرداروں کی شخصیت اور نفسیات کے عین مطابق رکھا گیا ہے۔ ناول کا سب سے خوبصورت تجزیہ خود ناول نگار نے اس کے نام ''ذلتوں کے اسیر'' کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ناول کے تمام کردار کسی نہ کسی صورت ذلت میں گرے ہوئے ہیں۔ ذلت عربی زبان کا لفظ ہے۔ فیروز اللغات میں اس کے معنی رسوائی، توہین اور بدنامی کے ہیں جبکہ کہ اسیری کے معنی باندھنا، پابند ہونا اور مبتلا ہونا کے ہیں (۲۰)۔ ذلت ایک غیر اختیاری عمل ہے۔ کوئی بھی انسان از خود ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔ بالکل اسی طرح اسیری بھی غیر اختیاری عمل ہے۔ ناول میں ذلت ایک ایسی دلدل ہے۔ جس میں اگر ایک آدمی گرتا ہے تو اسے نکالنے والا دوسرا شخص از خود اس میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ جس طرح میر صاحب نے کہا تھا:

ہم ہوئے کہ تم ہوئے میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے (۲۱)

''ذلتوں کے اسیر'' ناول کے بارے میں اکثر ناقدین کی یہ رائے ہے کہ ناول سارا شگفتہ کی آپ بیتی ہے۔ سارا شگفتہ نثری نظم اور پنجابی شاعری کے حوالے سے ایک توانا آواز کا نام ہے سارا شگفتہ گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔ ایک غریب اور اَن پڑھ خاندانی پس منظر سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ پڑھنا چاہتی تھی مگر میٹرک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکی۔ کم عمری میں شادی اور پھر طلاق کے بعد اس نے مزید تین شادیاں کیں۔ اس کے شوہروں میں سے دو حضرات شاعر تھے جن میں سے کسی کے ساتھ بھی وہ خوشگوار ازدواجی زندگی نہ گزار سکی۔ نامساعد حالات نے اسے ذہنی مریضہ بنا دیا تھا۔ ایک ٹرین حادثے میں اس کی موت واقع ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے امرتا پریتم نے

''ایک تھی سارا'' عذرا عباس نے ''درد کا محل وقوع'' ناول تحریر کی انہیں سارا شگفتہ کی آپ بیتیاں بھی کہا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ پاکستان ٹیلی وژن نے ایک ڈراما'' آسمان تک دیوار'' پیش کیا گیا سارا شگفتہ کی پنجابی شاعری مجموعوں میں ''بلدے اکھر''، ''میں ننگی چنگی'' اور ''لکن میٹی'' شامل ہیں۔اس کے علاوہ شعری مجموعوں میں '' آنکھیں'' اور ''نیند کا رنگ'' بھی شائع ہو چکے ہیں۔

انور سن رائے ناول ''ذلتوں کے اسیر'' کو اس حوالے سے سارا شگفتہ بھی آپ بیتی کہا جاتا ہے کہ ایک تو اس ناول کے راوی خود انور سن رائے ہیں اور دوسرا اس ناول کے دیگر کرداروں کا ان کی ذاتی زندگی سے تعلق ہے اس کے علاوہ ناول میں ان کی اپنی زندگی کے بھی بہت سے معاملات شامل ہیں مثلاً ان کی تعلیم ،اخبار میں نوکری اور شادی جیسے معاملات ناول میں شامل ہیں۔اس کے علاوہ سارا شگفتہ کے بہت قریب رہ چکے ہیں۔کیونکہ سارا ان کے ایک قریبی دوست کی بیوی تھی اور جب ان کے اس دوست پر مشکل وقت آیا تو انھوں نے ان لوگوں کو اپنے گھر پر پناہ بھی دی تھی۔ان کی حقیقی زندگی کی جھلکیاں ناول کو آپ بیتی کے قریب کر دیتی ہیں ان کی ذاتی زندگی کے حوالے سے ناول کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''نبیل اور میں ایک عرصے سے دوست تھے۔ہم دونوں کی ملاقات اردو کالج میں ہوئی۔ادب سے دلچسپی کے علاوہ انجمن ترقی اردو سے ملنے والی سکالرشپ ہم دونوں میں قدر مشترک تھی۔ پہلے ہی سال انجمن میں خسارے کی وجہ سے سکالرشپ ختم ہوگئی اور میں اردو کالج سے علامہ اقبال کالج آ گیا۔کیونکہ ان دنوں میں تعلیم کے ساتھ اومنی وسروس میں مکینک کی ملازمت بھی کرتا تھا۔''**(۲۲)**

اس کے علاوہ ان کی بیوی جس کا ذکر ناول میں مدیحہ عباس کے کردار کی حیثیت سے موجود ہے اور شاعروں اور ادیبوں کے کردار جو اس ناول کو آپ بیتی کے قریب کر دیتے ہیں۔اس سب کے باوجود انور سن رائے کا کہنا ہے کہ یہ ناول اور اس کے تمام کردار فرضی ہیں۔کرداروں سے مشابہت فرضی ہوگی:

> ''سب سے پہلے تو میں تمام پڑھنے والوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس ناول کے تمام واقعات اور کردار فرضی ہیں اور ان کی کسی کردار اور واقعہ سے مماثلت محض حادثاتی ہوگی۔جس کی کوئی ذمہ داری مصنف، پبلشر اور پرنٹر پر عائد نہیں ہوگی۔''**(۲۳)**

کوئی بھی تخلیق جب تخلیقی عمل سے گزرتی ہے تو اس کی تحریک اندر سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ناول نگار جو کچھ لکھتا ہے وہ عام زندگی سے متعلق ہی ہوتا ہے کیونکہ زندگی کے بہت سے رخ ہوتے ہیں۔انہی رخوں میں سے مصنف کسی ایک کا انتخاب کرتا ہے۔اور پھر اس کے گرد مختلف حقائق وشواہد کی روشنی میں کہانی بُنتا ہے۔درحقیقت ایک کامیاب ناول نگار وہی ہوتا ہے جو اپنے تخیل میں موجود واقعات کو کہانی کی صورت میں اس طرح بیان کرے کہ اس پر حقیقت کا گمان ہو یہی اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا عمدہ اظہار ہوتا ہے۔لہٰذا اگر ہم ہر ناول یا قصے کو آپ بیتی کا رنگ دے دینگے تو پھر فکشن کا ایک بہت بڑا حصہ جو دراصل ہماری حقیقی زندگی سے ہی تعلق رکھتا ہے آپ بیتیوں میں شامل ہو جائے گا تو پھر فکشن بہت سی شاہکار تخلیقات سے محروم ہو جائے گا۔لہٰذا ہم اس ناول کو آپ بیتی قرار نہیں دے سکتے۔

حوالہ جات

(1) Cornell Durcilla, The Heart of Freedom, Feminism, Sex and Equality, (Princeton: Princeton University Press, 1998), P.5

(2) Britannica Concise Encyclopedia, 2020

۳۔ انیس ہارون، فیمنزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ: فیمنزم اور ہم، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۲

۴۔ شہناز نبی، فیمنزم: تاریخ و تنقید، (کلکتہ: رہروانِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء) ص ۱۸

۵۔ منصور خوشتر، اردو ادب میں تانیثیتی رجحان، مشمولہ: شاعر، (ممبئی، شمارہ ۱۱، ۲۰۰۳ء) ص: ۳۴

۶۔ عبیدالرحمٰن ہاشمی، میراثِ ہنر، (دہلی: اسٹار آفیسٹ پریس، ۱۹۹۸ء) ص ۶۸

۷۔ عبدالرحمٰن، عصمت چغتائی اور جنگلی کبوتر کے نسوانی کردار، مشمولہ: شاعر (ممبئی، ۱۸ ستمبر ۱۹۷۸ء) ص ۸

۸۔ عقیلہ جاوید، اردو میں ناول میں تانیثیت، (ملتان: یوسف مرید پرنٹنگ پریس، جولائی ۲۰۰۵ء)، ص ۱۴

۹۔ انورسن رائے، ذلتوں کے اسیر، (کراچی، فضلی سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۸ء) ص ۱۶۹

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۰۱

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۰۰۔۳۰۱

۱۲۔ سیما صغیر، تانیثیت اردو ادب: روایات، مسائل اور امکانات، (نئی دہلی: براون بک پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء) ص ۱۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۸

۱۴۔ انورسن رائے، ذلتوں کے اسیر، ص ۲۵۰

۱۵۔ اعجاز الرحمٰن، تانیثیت اور قرۃ العین حیدر کے نسوانی کردار، (دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۸۰۔۸۱

۱۶۔ انورسن رائے، ذلتوں کے اسیر، ص ۳۳۹

۱۷۔ ایضاً، ۱۴۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۰۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۶۸

20. https//:www.feroz ul lughatonline dictionry.com

21. https//:www.rekhta.org.com

۲۲۔ انورسن رائے، ذاتی نوٹ، مشمولہ، ذلتوں کے اسیر، ص ۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۴۳